پیشکش ۲۵

رہبرِ انسانیت

امام حسین علیہ السلام

از

رئیس التحریر مولانا سید نصیر حسین نقوی

دار العلوم جعفریہ کربلا منزل خوشاب

ناشرین

اراکین تحریک تحفظ تعلیمات آلِ محمد رجسٹرڈ پاکستان

مرکزی دفتر امام بارگاہ بلاک نمبر ۲ سرگودھا

رئیس التحریر مولانا سیّد نصیر حسین نقوی

رہبرِ انسانیت حسین علیہ السّلام

۱

مدینہ منورہ کا مقدّس شہر ہے۔ مسجدِ نبویؐ کا حرم ہے۔ مسجد صحابہ سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ کائناتِ عالم کے سیّد۔ سردار، رحمت عالمین، محبوبِ کردگار، طوبیٰ، سدرۃ المنتہیٰ سے گزر جانے والا آقا، قابَ قوسین او ادنیٰ کا مکیں۔ اوّل ما خلق اللہ نوری کا مصداق، مالکِ معراج، تاجدارِ لولاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم منبر پر رونق افروز ہیں۔ جمعہ کا مبارک دن ہے اور حضورؐ خطبہ دینے ... روف ہیں۔ علم وعرفان کی بارش ہو رہی ہے تشنگانِ معرفت اپنی اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ مجمع ہمہ تن گوش اور سیّد الانبیاءؐ حمد وثنائے الٰہی میں رطب اللساں، اتنے میں دو ننھے ننھے شہزادے پھول سے چہرے، نورانی صورتیں۔ معصومیت کے پیکر صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ جو دیکھتا ہے اُن کے لئے راہ بنا دیتا ہے۔ جس کی ان پر نظر پڑتی ہے سمٹ جاتا ہے۔ اتنے میں ایک

شہزادے کا پاؤں کرتے میں اُلجھ جاتا ہے وہ گرنے لگتا ہے۔ سرورِ عالمؐ کو ضبط کی تاب نہیں رہتی، خطبہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس معصوم اور منّے کو لپک کر اٹھا لیتے ہیں، دونوں کے پھول جیسے رخساروں کے بوسے لیتے ہیں، اُنہیں بڑے پیار اور لاڈ سے منبر پر اپنے دائیں بائیں پہلو میں بٹھا لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ۔ میرے یہ دو فرزند حسنؑ اور حسینؑ جنّت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

۲

دوپہر کا وقت ہے سورج ڈھل چکا ہے۔ مسجد نبویؐ کے گلدستۂ اذان سے۔ بلالؓ۔ کی اذان کی پیاری اور خدا اور اُس کے رسولؐ کو بھانے والی آواز مدینہ منوّرہ کی فضاؤں میں گونجتی ہے۔ تمام مسلمان اذان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسجد کی جانب لپکتے ہیں، طہارت اور وضو کے بعد صفیں درست کرتے ہیں، اتنے میں سیّد الانبیاءؐ والمرسلین، آسمان کی مسجد اقصیٰ میں انبیاءؑ کی نماز کی امامت فرمانے والے محبوبِ خداؐ، امامت کے لئے آگے بڑھتے ہیں، مسجد نمازیوں سے بھری ہے کہ تِل دھرنے کی جگہ نہیں، کیا کہنا اس نماز کا جس کی امامت سرورِ کائناتؐ فرما رہے ہوں، تکبیر ہوتی۔ نماز شروع ہوتی ہے۔ حضورؐ قیام میں قرآن کی سورتوں کی تلاوت فرماتے ہیں، نمازی پورے انہماک سے مشغولِ نماز ہیں، اتنے میں حضورؐ۔ اللہ اکبر۔ کہہ کر رکوع میں جھک جاتے ہیں،

رکوع سے اُٹھ کر بڑی طمانیت سے بارگاہِ ربوبیّت میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہٖ۔ کی تسبیحات زبان مبارک پر جاری ہیں اور محویّت کا یہ عالم ہے کہ دنیا اور مافیہا کی خبر نہیں۔ اتنے میں ننھّے منّے حسینؑ۔ آن پہنچتے ہیں، اپنے نانا بزرگوار کو سجدہ میں پڑے دیکھتے ہیں، خدا جانے اُن کے دل میں کیا آتا ہے۔ کہ اپنے نانا کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے ہیں، حضورؐ سجدہ کی تسبیحات میں نمہک اور چاہتے ہیں کہ بڑے آرام اور پیار سے حسینؑ۔ کو اتاریں، اتنے میں بارگاہِ ربوبیّت کا قاصد، ایلچی۔ جبرائیل امین۔ پیغام ربّانی لے کر نازل ہوتے ہیں کہ اے میرے محبوبؐ۔! میرے پیارے حسینؑ کا دل رنجیدہ نہ فرمائیں، اتنے تک سجدہ کی تسبیحات کو بڑھاتے جائیں، جب تک حسینؑ خود نہ اُتریں، ستّر بار تسبیحات کو دہرایا گیا، حسینؑ اتنے میں خود اُتر آئے، محبوبِ کردگارؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور بجا فرمایا تھا۔ حسینؑ منّی و انا من الحسینؑ

۳

مسجد نبویؐ کے پہلو میں، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم سرای سے متصل، ایک کچّا سا مکان ہے جو غریبوں کے جھونپڑوں سے کسی صورت میں مختلف نہیں، نہ اس کی عمارت عظیم الشان ہے نہ فنِ تعمیر کی صناعیاں اس میں کارفرما ہیں، نہ چونا دگچ نہ سنگِ مرمر

اس میں ظاہراً وہ تزک و احتشام نہیں جو شاہی محلات اور امراء کے کاشانوں کا طرّہ امتیاز ہوتا ہے، لیکن حقیقی شان و شوکت اور تزک و احتشام میں اتنا بلند و ارفع کہ فردوسِ بریں کو بھی اس پر رشک آئے اور جنّت الماری کے سونے، زمرّد اور زبرجد کے وسیع دعریض بھی اس کے سامنے شرمائیں، اسے یہ فخر و امتیاز کیوں نہ ہو؟ اس کے مکیں وہ ہیں، جن کو کائنات بھر پر فضیلت و برتری، اس میں وہ بزرگوار ہستیاں رہتی ہیں، جن پر جنّت نازاں ہے وہ فردوسِ بریں کے مالک اور جنّت نعیم ان کی جاگیر، ماں خاتونِ جنّت تو بیٹے جنّت کے جوانوں کے سردار، باپ قسیم النار والجنّۃ، ساقیٔ کوثر، نانا شفیع امم اور عالمین کی رحمت، سبب حقیقت بین نگاہیں اس پاکیزہ کی رفعتوں کو دیکھتی ہیں تو اس کے کنگرے عرشِ الٰہی تک ارفع و بلند، اس گھر میں ایک خاتون، بڑے سادہ لباس میں ملبوس بیٹھی ہیں۔ اس سادگی اور غربت کے باوجود نورانیت و جاہ و جلال ان کے چہرے پر نمایاں، اتنے میں دو معصوم اور ننھّے بچّے دوڑتے ہوئے آتے ہیں، پیار و محبّت سے ماں کے گلے لپٹ جاتے ہیں اور بڑے تمنّا دل کے ساتھ بڑے معصومانہ انداز میں کہتے ہیں۔ کیوں اماں جان! کل عید ہے نا۔؟ کیوں نہیں پیارے بیٹو۔ ! تو اماں جان ہمارے عید کے جوڑے کہاں ہیں۔؟ کل مدینہ کے بچّے، ہمارے ساتھی اور ہمجولی کل عید منا رہے ہیں ان کے فاخرہ لباس سِل کر تیار ہو گئے

اور ہم .... یہ سنتے ہی ماں ایک گہری سوچ کے غرقاب میں ڈوب جاتی ہے ۔ لیکن فوراً ہی اس خیال سے چونک اُٹھتی ہے کہ کہیں بچوں کے امید بھرے دل کو ٹھیس نہ لگے اور یہ آبگینے ٹوٹ نہ جائیں بے ساختہ اور بلا تامل فرماتی ہیں، میرے نورِ نظر بیٹو۔! تمہارے کپڑے تو درزی کے پاس ہیں، اپنی صدیقہ ماں سے یہ الفاظ سنتے ہی مسرّت و شادمانی سے بچّوں کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے رخساروں پر بشاشت و تازگی کھیلنے لگی، دوڑ کر باہر چلے گئے، ماں نے کہنے کو تو کہہ دیا، لیکن فکر اور سوچ کے ایک عمیق سمندر میں ڈوب گئیں اُٹھیں مصلائے عبادت پر کھڑی ہوئیں، عبادت کے دوران بارگاہِ قاضی الحاجات میں دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ عرض کرنے لگیں اے کریم ــــ! تو دانا و بینا ہے تو خود ہی اپنی کنیز کی لاج رکھنا۔!!! سپیدۂ سحری نمودار ہوا۔ مسجد سے اذان کی صدائیں فضا میں گونجیں نمازیوں نے اپنی نیاز بھری جبینیں سجدہ میں رکھیں، دھندلکوں میں اُجالے کھیلنے لگے اتنے میں خانہ سیّدہؑ پر دستک ہوئی، پوچھا۔ کون۔؟ آواز آئی ــــ انا خیاط الحسینؑ۔ میں حسنینؑ کا درزی ہوں۔ اُن کے لئے جنّت سے پوشاکیں لایا ہوں۔ یہ سنتے ہی سیّدہ عالم سجدہ شکر میں گر گئیں فضّہ نے بڑھ کر پوشاکیں لیں، آکر جناب سیّدہ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیں۔ اتنے میں محبوب کبریا حضرت محمد مصطفٰےؐ اپنے بھائی حضرت علیؑ کی معیت میں خانہ سیّدہ میں تشریف لائے، جنّت کے طشت

میں کپڑے دیکھے پوچھا یہ کیا ـــ؟ سیّدہ عالم نے سارا ماجرا بیان کیا، حضورؐ نے شکر پروردگار کیا، حسنینؑ کو بلایا فرمایا یہ لو بیٹو ـــ یہ تمہاری پوشاکیں ہیں، حسنینؑ نے عرض کیا نانا جان ـــ! بچوں کی پوشاکیں تو رنگ رنگ کی ہیں اور ہماری سفید، فرمایا، بیٹا میں ابھی رنگین بنا دیتا ہوں، ہاں اے پیارے حسنؑ ـ! تجھے کونسا رنگ پسند ہے۔ نانا جان ـ! میں تو سبز رنگ پسند کرتا ہوں، پیارے حسینؑ ـــ! تجھے کونسا رنگ پسند ہے ـــ؟ نانا جان میں سُرخ رنگ چاہتا ہوں ـ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا ـ اے علیؑ ـ پانی کا یہ آفتابہ اٹھاؤ اور پانی ڈالتے جاؤ، میں یہ پوشاکیں رنگین بنائے دیتا ہوں، کپڑے رنگین ہوگئے، شہزادوں نے اپنی پوشاکیں زیبِ تن کیں، ماں باپ اور نانا بزرگوار کے چہروں پر مسرّتیں اور شادمانیاں رقصاں تھیں ـ اتنے میں شہزادے فرمانے لگے ـ نانا جان ـ! تمام بچّوں کی سواریاں ہیں ہیں اور ہماری کوئی سواری نہیں ـ یہ سُنتے ہی سرکارِ دو عالمؐ، محبوب کردگار کے مبارک شانے جُھک جاتے ہیں ـ دائیں کندھے پر حسنؑ اور بائیں پر حسینؑ کو اُٹھاتے ہیں ـ شہزادے کہتے ہیں ـ اُن کی سواریوں کی باگیں ہیں، حضورؐ نے اپنی ایک زلف حسنؑ کے ہاتھ میں اور دوسری حسینؑ کے ہاتھ میں تھما دی اور دونوں کو لے کر مسجد کی جانب روانہ ہوئے۔ بچّوں نے معصومانہ انداز میں فرمایا، نانا جان ـ! دوسروں کی سواریاں تو بولتی ہیں ـ حضورؐ بھی بلند آواز میں فرمانے لگے ـــ العفو ـــ العفو ـــ العفو

۔ حضورؐ سات بار مسجد نبویؐ اور گھر میں آتے جاتے رہے، ہزاروں صحابہ کی نظریں حضورؐ پر لگی ہوئی تھیں اور اِس منظر کو دیکھ رہی تھیں ۔ اتنے میں ایک بزرگ کے مُنہ سے یہ نکل گیا کہ اے شہزادوں ۔! تمہاری سواری کتنی عمدہ ہے ۔؟ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ بھی دیکھو کہ سوار کتنے عظیم شان کے ہیں ۔!

(۴)

دنیائے انسانیت کا عظیم ترین رہبر، محبوب کردگار، رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسترِ مرگ پر پڑے ہیں۔ آخری لمحات میں اپنے بھائی علیؑ کو اپنی دختر فاطمہ زہراؑ اور اپنے نواسوں حسنؑ و حسینؑ کو گلے ملتے اور سینہ پر لٹاتے ہیں، اپنے بھائی حضرت علیؑ کی آغوش میں اپنی پیاری جان، جانِ آفرین کے سُپرد کر دیتے ہیں ، گھر سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوتی ہیں ، ہر آنکھ اشکبار ہے اور ہر دل فگار، لیکن فاطمہؑ اور حسنینؑ کے دِلوں پر جو گذر رہی ہے اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا ، تجہیز و تکفین ہوتی ہے ، ابھی صفِ ماتم بچھی ہے کہ ہمارے ننھے حسینؑ کو محسوس ہوتا ہے کہ دُنیا کا رنگ ہی بدل گیا وُہ نگاہیں جو کبھی محبت میں بھرپور اُن کا استقبال کرتی تھیں اب سرد مہری میں بدل چکی ہیں ، ماں کا دربار سے خالی لوٹنا ، پہلو کی چوٹ ، بیت الحزن میں رات دِن باپ کے غمِ فراق میں جگر دوز نالے ، باپ کی تنہا زندگی

اور لوگوں کی بے رُخی یہ حسینؑ کے دل میں ایک ایک کر کے نقش ہو رہی تھیں، ماں کی فرقت کا الگ چرکا دل میں تھا، ایک طویل اور تھکا دینے والی مدت میں حسینؑ وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی بہاریں گذار رہے تھے اور حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کر رہے تھے ہو وقت گذرتے دیر نہیں لگتی - خلافت پھر پھرا کر حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس آجاتی ہے - شورشیں سر اٹھاتی ہیں - جنگ جمل، نہروان اور صفین کے معرکے گرم ہوتے ہیں - ہمارے حسینؑ اپنے باپ کے پہلو میں جہاد کرتے ہیں - آخر میں حضرت امیرالمومنین ، رمضان کے مبارک مہینہ میں، نماز فجر ملجم کی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے کاری زخم کھا کر ۲۱ رمضان کو جام شہادت نوش فرماتے ہیں، یہ زخم بھی حسینؑ کے دل پر بڑا گہرا پڑا - حسنؑ زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں، امیر شام کی عیاریوں کوفیوں کی بے وفائیوں سے ناچار ہو کر اپنے جدِ پاک کی سُنّت صلح حدیبیہ کو سامنے رکھ کر صلح کر لیتے ہیں اور مدینہ میں اپنے نانا بزرگوار کے جوار میں خاموش زندگی گزارنے پر ناچار ہو جاتے ہیں - امیرِ شام اقتدار پاتے ہی اپنی اور اپنے خاندان کی سلطنت کے استحکام میں لگ جاتا ہے، حسنؑ کو زہر دلوا کر راستہ سے کانٹا دُور کر دیا جاتا ہے - زر، زور، رشوت اور دھاندلی سے اپنے بیٹے کی خلافت کے لئے ساز گار حالات پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی، اِس کوشش میں بڑی حد تک کامیابی بھی ہو جاتی

ہے۔ آخر امیرِ شام کو بھی تخت و تاج چھوڑنا ہی پڑا، اور لحد کی آغوش میں جا کر سونا پڑا، موت سے کون بھاگ سکتا ہے، وہ اس سے خوش تھا کہ میں نے اپنے بیٹے کے لئے "تاج و تخت کا سامان کر دیا ہے۔

اب خلافت کی مسند پر ۔۔۔ یزید ۔۔۔ ایسا ننگ انسانیت براجمان ہو چکا تھا، جو اپنی بدکرداری میں زمانہ بھر میں بدنام تھا، رات دن شراب و میگساری میں بدمست و سرشار رہتا تھا، اس کی راتیں جاگتی تھیں، رقص و سرود کی محفلیں گرم رہتیں، علماء اور صلحاء کا بھرے دربار میں تمسخر اڑایا جاتا، بندروں کو علماء کا لباس پہنا کر اُن کا مذاق اُڑایا جاتا، شہوت پرستی کا یہ عالم تھا کہ ماں، بہن اور محارم تک کا امتیاز اُٹھ گیا تھا، شریعت کا کھلے بندوں انکار کیا جاتا اور دین کے اصولوں کو برملا جھٹلایا جاتا ہے، جب لوگوں نے دربارِ خلافت کا رنگ دیکھا تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگے جانے لگے۔ کیونکہ ۔ الناس علیٰ دین ملوکہم ۔۔۔ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں ۔۔۔ حالت یہ تھی کہ لوگ نام کے مسلمان تھے اور اصل میں دین سے بے گانے اور ملحد ۔۔۔! اسلامی معاشرہ بگڑ چکا تھا، اور سوسائٹی نے ضلالت و گمراہی کی راہیں لے لی تھیں، قوم اُلٹے پاؤں کفر و باطل کی جانب گامزن ہو گئی اور ملت نے جاہلیت کی جانب رجعت قہقہری کی ۔۔۔ حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ اب ان کی اصلاح بہت بڑے مجاہد کی متقاضی تھی۔

اموی رنگین شہزادہ جب مالک تخت و تاج ہؤا، تو اُس نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ اُس نے دیکھا کہ اگر مدینہ منورہ کی با اثر شخصیتیں اس کی بیعت کرلیں تو جہاں اُس کی دنیوی سلطنت، بلکہ دینی خلافت کی بھی تائید ہو جائے گی۔ خصوصاً جب تک۔ حسینؑ بن علیؑ۔ اس کی بیعت نہ کریں، اُس کی خلافت کا کوئی مقام نہیں ہوگا۔ اس لئے اُن سے بیعت لینا ضروری ہے۔ اگر وہ بیعت سے انکار کریں تو پھر اُن کی گردن اُڑادی جائے۔ یزید نے مدینہ کے حکمران ولید کو اِسی مضمون کا خط لکھا۔ ولید نے خط پا کر اپنا آدمی حضرت امام حسینؑ کو بُلانے کے لئے بھیجا، جب ولید کا آدمی پہنچا تو حضرت امام حسینؑ مسجدِ نبویؐ میں رات کی ظلمتوں میں عبادتِ الہٰی میں منہمک ہے۔ پیغام سُنا، رات کو جلدی طلب کرنے سے معاملہ کو سمجھ گئے، گھر آئے، اپنے اقربا، بنی ہاشم کے جوانوں کو ساتھ لیا اور دارالامارہ میں پہنچے۔ ولید نے یزید کا خط آپ کے سامنے رکھا، آپ نے فرمایا۔ کل جب تم عوام سے بیعت لوگے تو دیکھا جائے گا۔ ولید اِس پر راضی ہو گیا۔ آپ اٹھنا چاہتے تھے، کہ مروان نے ولید کو کہا کہ حسینؑ کو بن بیعت جانے نہ دیجئے، اگر یہاں سے چلے گئے تو پھر تیرے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ یزید۔ اِن کی بیعت چاہتے ہیں یا اُن کا سر۔ باتوں میں تلخی بڑھی، دونوں طرف سے تلواریں نیاموں سے نکل آئیں، ولید نے موقعہ کی نزاکت کو دیکھ کر حسینؑ کو جانے کی اجازت دے دی۔

حسینؑ نے دیکھا کہ مدینہ میں اُن کے رہنے میں خطرات ہیں۔ اپنے اہل و عیال اور افراد بار کے ساتھ مامن امن و سلامتی بیت اللہ کو ہجرت فرما گئے۔ حج کے موقعہ پر تمام مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ فرزند رسولؐ نے سب تک اپنا پیام پہنچایا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لباس میں یزید کے مامورین حرم کعبہ میں ان کے خون گرانے سے گریز نہیں کریں گے تو آپ نے حج کو عمرہ سے بدل دیا، تاکہ کعبہ کی حرمت پر دھبہ نہ لگے اور کوفیوں کے ہزاروں دعوتی خطوط پر عراق کی جانب عازم سفر ہوئے ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم ؛ نہایت اسکی حسینؑ ہے ابتدا ہے اسمٰعیل

۵

بہرِ حق در خاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است
(اقبالؔ)

دوپہر ہونے کو آئی، سورج گویا سوا نیزے پر آیا ہوا ہے، غضب کی دھوپ پڑ رہی ہے، زمین تانبے کی مانند گرم ہے اور گرم لوہے کی طرح دہک رہی ہے۔ گرم لو کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ بگولے اٹھ رہے ہیں۔ ایک جانب نہر علقمہ موجزن ہے۔ جس کے کنارے فوجوں کے دَل کے دَل خیمہ زن اور پرے جمائے کھڑے ہیں اور دوسری جانب ریت کے ٹیلوں پر چند خیام ہیں اور ساتھ مختصر سے آدمی ہتھیاروں

سے لیس کھڑے ہیں، یہ چند گنتی کے افراد اور مقابلہ ہزاروں کے بھاری لشکر، لیکن بہادروں کے تیور بتا رہے ہیں کہ نہ اُنہیں مقابل نوجوں کی کثرت کی پرواہ ہے نہ اپنی موت کا ڈر ہے، اُن کے چہروں پہ بشاشت کھیل رہی ہے اور ان کی صورتوں پہ صباحت کا جاہ و جلال ہے۔ ہر مجاہد سبقت لینے کے لئے بے تاب ہے اور جان قربان کرنے کے لئے بے چین۔ اتنے میں ایک خوبرو نوجوان آگے بڑھتا ہے، اس کا مکھڑا چودھویں کا چاند، اٹھارہ سال کی عمر، بھرپور جوانی، اپنے سردار حسینؑ کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے، بصد ادب عرض کرتا ہے، "ابا جان!۔ میں سویرے سے دیکھ رہا ہوں کہ معرکہ کارزار گرم ہے، آپ کے اصحاب باوفا، یار و انصار، ایک ایک کرکے شہید ہو چکے ہیں۔ اب صرف بنی ہاشم کے نوجوان رہ گئے ہیں، اب مجھ میں صبر و ضبط کی تاب نہیں رہی۔ آپ مجھے اجازتِ جہاد دیں تاکہ میں اعدائے بدنہاد سے جا کر جنگ کروں۔ باپ نے حسرت بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھا، آہ۔! اس نے تو شباب کے ثمر کو چکھا ہی نہیں، کیوں کر موت کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دوں۔ فرمایا۔ بیٹے علی اکبر۔ تُو تو ہمشکلِ پیغمبرؐ ہے۔ جب میں نانا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو تیرے چہرے کو دل کی دھیر و تسکین کر لیا کرتا تھا۔ کیسے تجھے رخصت کروں۔!

شہزادے کا اصرار بڑھا، باپ نے اجازت دی، شہزادے کے
بدن پر ہتھیار آراستہ کئے۔ گھوڑے پر خود سوار کیا۔ آگے آگے علی اکبر
کی سواری جا رہی تھی، پیچھے پیچھے حسینؑ چل رہے تھے، فرمایا۔ خداوندا
تو اس قوم پر گواہ رہنا کہ اب میں اُن کے مقابلہ میں اس نوجوان کو
بھیج رہا ہوں جو شکل و صورت و گفتار و کردار میں تیرے محبوبؐ رسولؐ
کے مشابہ ہے۔ یا الٰہی میری اس قربانی کو قبول فرمانا۔ علی اکبر
میدانِ جنگ میں گئے۔ دادِ شجاعت دے کر پلٹ کر باپ کی خدمت
میں آئے۔ عرض کیا ابا جان۔! پیاس سے جان لبوں پر ہے اور لوہے
کے گرم ہتھیار سوہانِ رُوح ہیں۔ کیا پانی کا ایک گھونٹ مل سکے گا،
پانی کہاں۔ سب ہی تین دن کے پیاسے تھے۔ حسینؑ نے کہا، لو
بیٹا۔ اپنی زبان میرے مُنہ میں ڈالو۔ علی اکبر نے زبان ڈالی اور فوراً
ہی نکال کر کہنے لگے۔ ابا جان آپ کی زبان تو میری زبان سے خشک
ہے، دوبارہ باپ سے رُخصت لے کر میدان کارزار میں اُترے،
بہت سوں کو تہ تیغ کیا۔ جدھر حملہ کرتے پرے کے پرے صاف
ہو جاتے، ایک شقی گھات میں چھپا تھا، جوان کے سینے پر نیزے
کا وار کیا۔ شہزادہ زمین پر آرہے اور بلند آواز سے پکارے
یا ابتا ادرکنی۔ ابا جان۔! مدد کو پہنچو۔ یہ ندا سنتے ہی حسینؑ جوں توں
کر کے علی اکبر کے سر پر پہنچے، کیا دیکھا کہ نوجوان خاک و خون میں
غلطاں، ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپ رہا ہے۔ آپ بیٹھے، بیٹے کے

سر کو اٹھا کر جھولی میں رکھا، خاک و خون صاف کیا، علی اکبر کی آنکھ کھلی، باپ کو دیکھا۔ حسینؑ نے پوچھا، بیٹا۔ سینے پر ہاتھ کیوں دھرا ہے، عرض کیا ظالم نے سینے پر برچھی کا پھل مارا ہے اور اُسے توڑ کر سینے میں رہنے دیا ہے۔ اس کی درد سے بے چین ہوں۔ حسینؑ نے زمین پر گھٹنے ٹیکے، برچھی کے پھل کو کھینچا اور اپنے جدّ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یاد تازہ کر دی، بلکہ قدم آگے بڑھا حقیقی قربانی دے کر نہ صرف انسانی دنیا کو بلکہ ملأ اعلیٰ کی مخلوق کو بھی دنگ کر دیا، بے شک یہ حسینؑ کی ایک عظیم قربانی تھی وفدیناہ بذبح عظیم کی عملی تفسیر ——— !

حسینؑ کے بہتر۷۲ جاں نثار ایک ایک کر کے قربان ہو چکے تھے، اب حسینؑ کی باری تھی، جہاد میں تحیّر انگیز شجاعت کے بعد زخموں سے چور ہو کر زین سے زمین پر آئے جیسے رحل سے قرآن۔ سجدہ میں سر رکھا، قضا سے تیرہ ضربوں سے سر کٹ کر نیزہ پر بلند ہوا۔ یہ حسینؑ کی معراج تھی ——— !

یہ تمام انسانوں کو خواہ وہ مشرق کے ہوں خواہ مغرب کے، وہ ایشیا کے ہوں یا یورپ کے، وہ امریکہ کے ہوں یا افریقہ کے، وہ گورے ہوں یا کالے، خواہ کسی رنگ و نسل سے ہوں، مخاطب کر کے کہنے کی جرأت کرتا ہوں، کہ دشتِ نینوا میں حسینؑ بن علیؑ کا مجاہدہ انسانی حقوق کی خاطر تھا، انہوں نے یزید کے ظلم و استبداد کے سامنے سینہ سپر ہو کر

انسانوں کو آزادی و حریت، استقلال اور عزتِ نفس کا سبق پڑھایا۔ انہوں نے اپنا سر، گھر اور سب کچھ دے کر انسانیت کی لاج رکھ لی، وہ ہر حیثیت سے اور حقیقی معنوں میں رہبرِ انسانیت ہیں۔ اس لئے انسانوں کو مجموعی حیثیت سے اپنے محسنِ حقیقی کا غم شایانِ شان منانا چاہیئے اور اس راہ میں کسی تفرقہ کو راہ نہیں دینی چاہیئے۔ میں پورے وثوق سے سمجھتا ہوں کہ اگر شہیدِ کربلا کا پیام اور ان کا اعلیٰ ترین مقصد اور ارفع ترین نصب العین اقوامِ عالم پر روشن ہو جائے تو بقول جوش ملیح آبادی ؎

ذرا انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

میں مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ توحید کے ماننے والے ہیں اور سرکارِ دوعالمؐ کے کلمہ گو ہیں۔ ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے انہیں اپنے رسولؐ سے عشق اور والہانہ محبت ہونی چاہیئے۔ عشقِ رسولؐ کا فطری نتیجہ اس کے نواسے کے ساتھ محبت ہے۔ پھر حسینؑ مظلوم نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ خود تو بظاہر مٹ گئے لیکن توحید کے پرچم کو بلند کر دیا۔ اپنی عدیم النظیر قربانی سے کلمہ طیبہ — لا الٰہ الا اللہ — کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا۔ خواجہ اجمیری نے کیا عمدہ فرمایا ہے ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

☆